POSTED AT NDPSO ON 3-4 NOVEBER 2001
U (C) 160/2001 TO POST WITHOUT PREPAYMENT
POSTAL REGN. NO. DL-11186/2001 R. NO. 2186/57

HAMARI ZABAN (WEEKLY)

ہفت روزہ

ہماری زُبان

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

۸ تا ۱۴ نومبر ۲۰۰۱ء (08-14 NOVEBER 2001)

شمارہ نمبر: ۴۲ جلد نمبر: ۶۰

آزادی سے قبل دِلّی کی شعری محفلیں

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ (بی-۳۹-۱، پاکٹ بی، میور وہار فیز II، دہلی-۱۱۰۰۹۱)

دلّی کا دم ہے قوم مسیحی کے واسطے
دلّی ہے نورِ طور کا موسیٰ کے واسطے
دلّی ہے عارفانِ کنھیا کے واسطے
یا عاشقانِ سرور جنتی کے واسطے
(علامہ زار دہلوی)

عالم میں انتخاب، دیارِ منتخبانِ روزگار، گہوارۂ تہذیب و تمدن، مرکز علوم و فنون و دار الخلافہ ہندوستان دلّی ایک سدا بہار گل سبا نگری ہے جسے ہر دور میں زندہ رہنے کا فن آتا ہے اور جس میں ہر آزمائش سے کامیاب نکلنے کا سلیقہ بھی ہے۔ ایسے شہر کو مرحوم کہنا کہاں تک مناسب ہے اس کا فیصلہ اہلِ نظر و اربابِ دانش خود کر سکتے ہیں۔ مرزا فرحت اللہ بیگ نے عہد بہادر شاہ ظفر کے ایک مشاعرے کی روداد لکھی جس میں کچھ اصل ہے کچھ نقل ہے۔ کچھ حسنِ بیان ہے۔ اپنی اس تصنیف کا نام انھوں نے "دلّی کی آخری شمع" رکھ دیا۔ مولانا الطاف حسین حالی نے دلّی مرحوم کا تذکرہ اس انداز سے فرمایا:

داغِ مہجورِ آن کو مبادا کہ پھر اس محفل میں
نہ سنا جائے گا بلبل کا ترانہ ہرگز

مگر دلّی بھی آخر دلّی ہے جو نہ کبھی مرحوم ہوئی ہے اور نہ کوئی مشاعرہ یہاں کی آخری شمع ہی ثابت ہوا۔ داغ و مجروح کے انتقال کے بعد بھی منادلِ چمنستانِ دلّی خموش نہیں ہوئے۔ البتہ دورِ آشوب میں کبھی کبھی جو شمعیں کچھ مدھم ہو گئی تھیں وہ جلد ہی نئی آب و تاب کے ساتھ پھر ضیا بار ہو گئیں۔

شاگردانِ اساتذۂ سخن نے گلشنِ سخن کی آبیاری کی۔ تلامذۂ حضرت داغ و مولانا آزاد نے دلّی کی شعری روایت کو نئی جلا بخشی۔ کس کس کا نام لکھا جائے۔ نواب سائل، استاد بیخود، آغا شاعر اور پروفیسر زار دہلوی اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرماتے رہے۔ جتنی پیارے لال رونق، جنکی پرشاد شیدا، چندر بھان کیفی نے شعری محفلوں کو گرمایا۔ کئی انجمنیں خدمتِ شعر و ادب میں پیش پیش تھیں۔ پنڈت امرناتھ ساحر خلف الرشید رائے بہادر جانکی ناتھ مدن نے ۱۹۱۱ء میں بزمِ سخن قائم کی۔ ساحر صاحب، اُن کے برادرِ عزیز دینا ناتھ مجبور اور جناب سورج نرائن مہر نے ہندو دھارمک گرنتھوں کے اردو نظم و نثر میں ترجمے کیے۔ ان حضرات نے تصوف و روحانی اقدار کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا۔ ساحر صاحب کے کلام سے پوری طرح فیض یاب ہونے کے لیے اصطلاحاتِ تصوف، یوگ اور ویدانت کے مسائل سے واقفیت ضروری ہے۔ اُن کا ایک شعر پیشِ خدمت ہے:

ہے صدائے نونِ غنّہ پردہ در حرف و صوت
نغمہ ہم آہنگ ہے ہر پردۂ ناساز کا

یہاں نونِ غنّہ سے مراد "اوم" کے اوپر کی چندر اکار بندی ہے جو اوم کہنے کے بعد حلق سے دماغ کی طرف جاتی ہے اور جب دماغ میں گھر کر لیتی ہے تو یوگی کو انہد شبد (حرف الافانی) سنائی دیتا ہے اور نونِ غنّہ کی آواز آکاش میں مدغم ہو جاتی ہے۔ اس لیے اُسے پردہ دارِ حرف و صوت کہا گیا ہے۔ دوسرے مصرع میں "سوہم" کی طرف اشارہ ہے۔ صدا ہر ذی روح میں ہوتی ہے اس لیے نغمہ پردۂ ناساز کہا گیا ہے لیکن اس سے نکلنے والے نغمات نغمہ سرمدی سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔

ساحر صاحب کی بزمِ سخن کی آخری نشست اُن کی یاد میں ماتمی نشست تھی جو ۱۹۳۲ء میں منعقد ہوئی تھی۔ اس بزم کے ماہانہ اور سالانہ مشاعروں کی دلّی میں دھوم تھی۔ ان میں اردو، ہندی اور فارسی کلام پیش کیا جاتا تھا۔ جشنِ سیمیں (۱۹۳۶ء) میں ۲۵ شعرا باکمال کو بیرونِ دلّی سے اور ۵۰ سے زائد مقامی سخنوروں کو مدعو کیا گیا تھا۔

کچھ اساتذۂ سخن کے شاگردوں نے اپنے استادوں کے نام پر انجمنیں قائم کیں۔ بزمِ سائل، شاعر، سجاد وغیرہ نے ادبی خدمات سرانجام دیں۔ جناب شیش چندر طالب دہلوی نے اپنے استاد جناب مہاراج بہادر برق کی یاد میں ہر سال یومِ برق کا انعقاد کیا (۱۹۶۱ء میں یہ ذمہ داری شری چترگپت سبھا کو دے دی گئی)۔ دلّی میں یومِ غالب، یومِ ذوق، یومِ داغ وغیرہ بھی منائے جاتے تھے۔ حیدر دہلوی کے علاوہ نے بزمِ حیدری قائم کی تھی۔ اس بزم کے مشاعروں میں شاعروں کی تعداد اتنی ہوتی تھی کہ محفل رات بھی چلتی تھی۔ ۱۹۳۹ء میں انجمن ترقی اردو کا دفتر دلّی منتقل ہو گیا تھا۔ اس انجمن نے کتنی ہی شعری نشستوں کا اہتمام کیا تھا۔ پہلے مشاعرے میں سامعین کی تعداد اندازے سے بہت زیادہ تھی۔

۱۹۳۲ء میں جناب گوپی ناتھ امن لکھنوی تیج اخبار کے شعبۂ ادارت سے وابستہ ہوئے تو "تیج" اخبار کے دفتر میں بھی شعری نشستیں منعقد ہونے لگیں۔ ان میں مشاہیر شعرا شریک ہوتے تھے۔ فصیح الدین صاحب ہارڈنگ لائبریری میں مشاعروں کا اہتمام کرتے تھے۔ جناب منور لکھنوی یوپی ہندو ایسوسی ایشن کے روحِ رواں تھے۔ اس انجمن کے مشاعروں میں جوش ملیح آبادی، تلوک چند محروم، مہاراج بہادر برق دہلوی وغیرہ اساتذۂ فن شریک ہوتے تھے۔ محلہ صوفی گلی چیل مہادیو حوض قاضی میں گوپی ناتھ صاحب امن قیام پذیر تھے، بقول شاعر:

میں چمن کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں

محلے کے نوجوانوں میں ذوقِ شاعری ابھرا۔ جناب شری کرشن شیام لال صاحب رونق، کشن لال خنداں دہلوی باقاعدہ شعر کہنے لگے۔ جناب کشن لال صاحب شاد کے مکان میں شعری نشستیں ہوتی تھیں اور وہ بھی اتنی کامیاب کہ شعرا اپنا کلام سنا کر سخن فہم سامعین سے داد پا کر اگلی نشست میں آنے کے متمنی رہتے تھے۔ ایک نشست میں جناب اثر لکھنوی نے اپنی غزلیں سنائیں جو سامعین نے بہت پسند کیں تو انھوں نے فرمایا میاں مجھے معلوم ہو گا کہ یہاں کی نشستیں ایسی ہوتی ہیں تو میں غزلیات کا مجموعہ بھی لاتا۔ حکیم بیگ چغتائی نے شعر پڑھا:

بجائیں کی جو نشستیں یہ دلی میں عادت ہوئی
پھر نہ چھوٹا یہ ذوقِ سخن دن سے مہاجات ہوئی

دلّی زیادہ دلا دلی کے حکیم صاحب کہتے تھے
واللہ اب تمام عمر دلارت بھی لے تو غم نہیں۔

انوار الحق حقی قوم پنجابیاں کی لائبریری میں اردو جشنے کا اہتمام کرتے تھے جس میں ایک روز مناظرہ اور ایک دن غزلوں کی محفل ہوتی تھی۔ جناب دلگیر پرساد گوہر (تلمیذ جناب آغا شاعر) اور جناب ست پرکاش شوق جین مترمنڈل کی طرف سے مہاویر جینتی کے مبارک موقع پر بزمِ سخن منعقد کرتے تھے۔

کچھ صاحبانِ ذوق کے دولت کدوں پر شعری نشستیں ہوتی تھیں جن میں دلّی اور بیرونِ دلّی کے شاعر شریک ہوتے تھے۔ آغا شاعر کے صاحبزادے ایسی ہی نشست کا اہتمام کرتے تھے۔ خواجہ محمد شفیع کے دولت کدے

(میا محل، جامع مسجد) پر ہونے والی نشستوں میں حفیظ جالندھری، جگر مراد آباد، نگر بیوی کی ہو، شکیل بدایونی، منتخب جار پوری وغیرہ شریک ہوتے تھے۔ بزرگوں کے سامنے تو سب سنجیدہ اور متعلق رہتے تھے لیکن خواجہ عبدالمجید اور پروفیسر ناز بلوی وغیرہ کے تشریف لے جانے کے بعد محفل میں بے تکلفی اور زندہ دلی کا رنگ ہوتا تھا۔ معیاری کلام پر دو دل چسپ تبصرے ہوتے تھے کہ محفل زعفران زار ہو جاتی تھی۔

دلی کے تعلیمی اداروں میں بھی مشاعرے ہوتے تھے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ، اینگلو عربک کالج (جو اب ڈاکٹر ذاکر حسین کالج کے نام سے مشہور ہے)، سینٹ اسٹیفن کالج (پروفیسر اشتیاق حسین قریشی اس میں دل چسپی لیتے تھے) اور ہندو کالج کے علاوہ سناتن دھرم ہائی اسکول اور کمرشیل اسکول چرنے والان میں بھی ادبی نشستیں ہوتی تھیں۔ مشاعرے باب ذوق کی نشستیں دلی کالج میں منعقد ہوتی تھیں۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مشاعروں میں جگر مراد آبادی، مولانا حسرت موہانی، جوش، فراق وغیرہ شریک ہوتے تھے۔ جامعہ کی سلور جوبلی پر ۱۹۴۶ء میں ایک شاندار مشاعرہ ہوا تھا۔

قومی تحریک نے اردو شاعروں کو بھی متاثر کیا۔ کئی شاعر قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہو چکے تھے۔ ساز سخن پر دلوں سے نکلے قومی ترانے سامعین کے دلوں کو گرمانے اور روح کو برمانے لگے۔ شہر میں قومی جلسوں میں نظمیں اور غزلیں لوگوں کو بہت متاثر کرتی تھیں۔ کانگریس کی گولڈن جوبلی ۱۹۳۵ء کے مشاعرے کی صدارت جناب جاوید کا دہلوی نے کی تھی جن کا مطلع تھا۔

شب قفس سے نہ دور تیرگی و ام آزادی
ای کے بعد ہے صبح دوام آزادی

۱۹۴۱ء میں کمپنی باغ میں شاندار مشاعرہ ہوا۔ اس کے بعد دلی میں ایسا سیاسی مشاعرہ نہیں ہوا۔ اس کے منتظمین میں جناب گوپی ناتھ امن لکھنوی کا نام سر فہرست ہے۔ اس بزم سخن میں جوش، مجاز، ساغر نظامی، انور صابری وغیرہ نے اپنا قومی کلام سنا کر سامعین کو مسحور کر دیا۔ ۱۹۴۵ء میں قومی رہنماؤں کو قید سے آزاد کیا گیا تو ان کے استقبال میں مشاعرے ہوئے۔ عارضی حکومت کے قیام پر جو شاندار مشاعرہ ہوئے ان میں مجاہد آزادی جناب رام تراق، مشتاق، حکیم تقی، امن لکھنوی،

ادیب لکھنوی وغیرہ نے شہیدوں کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا اور نیتاجی کی شان میں اشعار پیش کیے۔ آزاد ہند فوج کے مقدمے میں جب سپاہیوں اور افسران کیپٹن شاہنواز خاں، کرنل سہگل اور ڈھلوں وغیرہ کی رہائی ہوئی تو ہر طرف جشن کا ماحول تھا۔ ہر طرف مشاعرے ہوئے جن میں انھیں خراج تحسین پیش کیا گیا۔ شاعروں نے سرفروشان وطن کی حمایت میں منظوم گل افشانیاں کیں۔

"پھوٹی کرن تو صبح کا منہ زرد ہو گیا"۔ مسلم لیگ ۱۹ جون ۱۹۴۶ء کو پاکستان بنوانے کے لیے ڈائریکٹ ایکشن کا اعلان کر چکی تھی۔ فرقہ وارانہ منافرت کو ہوا دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کی فضا مکدر ہو گئی اور فسادات کے شعلے بھڑک اٹھے۔ دلی کی فضا تو ۱۹۴۶ء سے ہی مسموم ہونا شروع ہو گئی تھی۔ قتل و غارت گری کا دور شروع ہو گیا۔ شاعروں نے نفرتوں کو ختم کرنے کے لیے پریت کے گیت گائے، نظموں کی شمعیں جلائیں۔ شائق دل نے جگہ جگہ اتحاد باہمی کے لیے مشاعرے کیے جن میں جگر، روش صدیقی، جوش ملیح آبادی، قدیر لکھنوی وغیرہ نے اپنا اپنا کلام پیش کیا۔ شائق دل کے ذریعے قیام امن کی کوششیں جاری رہیں۔

آزادی آئی تو مگر اس کے لیے تقسیم وطن کی بہت بڑی قیمت دینی پڑی۔ ہر طرف انسانیت کے خلاف جرم سرزد ہوئے۔ دلی میں بھی بہت اتھل پتھل ہوئی۔ دلی سے تقریباً دو ڈھائی لاکھ آدمی ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے اور لاکھوں لوگ سرحد پار سے دلی آگئے۔ جانے والوں میں خواجہ محمد شفیع، نہال سیوہاروی، آغا شاعر قزلباش، آفاق تونگہ، منور لکھنوی، ضیا دہلوی، ظریف دہلوی، اسلم میرٹھی، قابل گلاوٹھوی، فیض جھنجھانوی، جالب دہلوی، رمضی امروہوی وغیرہ تھے۔ سرحد پار سے آنے والوں میں جناب ہری چند اختر، پروفیسر تلوک چند محروم، جگن ناتھ آزاد، بسمل، عرش ملسیانی، رام وفا، گوپال متل، تلفر ادیب، رسا ہمدمی، طالب چکوالی، سرو رامر وغیرہ تھے۔ سرحد پار سے آنے والے لوگوں میں بہت بڑی اکثریت ان کی تھی جو اردو جانتے تھے اور مشاعروں میں دل چسپی لیتے تھے۔ ان کے آنے سے دلی کے مشاعروں کو نئی توانائی ملی۔ اس زمانے میں ہندوستان کے دیہاتوں اور شہروں سے مشہور حضرات دلی آنے لگے جیسا جناب

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

"علی گڑھ - میرا چمن" اور "فکر و آگہی" علی گڑھ نمبر کا جشن اجرا

ڈاکٹر رضیہ حامد نواب سلطان جہاں بیگم کے خواب کی تعبیر ہیں (اختر سعید خاں)

ڈاکٹر رضیہ حامد اپنی ذات سے ایک انجمن اور بھوپال کی آبرو ہیں (ڈاکٹر خلیق انجم)



ڈاکٹر رضیہ حامد کی کتاب 'علی گڑھ - میرا چمن' کی ڈاکٹر خلیق انجم رسم رونمائی انجام دیتے ہوئے
تصویر میں (دائیں سے بائیں) جناب اکرام اشعر (لندن)، ڈاکٹر رضیہ حامد، جناب رفعت سروش، پروفیسر طاہر محمود، جناب عزیز قریشی اور ڈاکٹر خلیق انجم۔

یہ میرا چمن ہے میرا چمن، میں اپنے چمن کا بلبل ہوں

اسرار الحق مجاز کا یہ مصرعہ سنتے ہی اس یونیورسٹی کا خیال آ جاتا ہے جہاں یہ ترانہ بڑے حوصلے، خلوص اور محبت سے گایا جاتا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ یونیورسٹی ہے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی بنیاد انیسویں صدی کے بہت بڑے ماہر تعلیم اور مصلح قوم سر سید احمد خاں نے ڈالی۔ سو سال سے زیادہ عرصہ میں یہ ننھا پودا ایک بڑا تناور درخت بن چکا ہے۔ اس کے سائے میں علوم و فنون کے تمام شعبے پھل پھول رہے ہیں۔ اس یونیورسٹی کی گوناگوں سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لیے باب اعلم پبلی کیشنز (رجسٹرڈ) نے ڈاکٹر رضیہ حامد کی ادارت میں "فکر و آگہی" دلی کا ضخیم علی گڑھ نمبر اور "علی گڑھ میرا چمن" کے عنوان سے ایک ہزار صفحات پر مشتمل رسالہ اور کتاب شائع کیا ہے۔ جناب اختر سعید خاں نے 'فکر و آگہی' کے 'بھوپال نمبر' کی رونمائی کی اور ڈاکٹر خلیق انجم نے ڈاکٹر رضیہ حامد کی کتاب 'علی گڑھ میرا چمن' کی رسم اجرا کی۔ یہ جلسہ اسی ترانے سے شروع ہوا جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی پہچان ہے۔ یہ میرا چمن ہے میرا چمن۔ اسے بھوپال کے مختلف اسکولوں کی طالبات نے پیش کیا۔ جلسہ کی نظامت کرتے ہوئے مشہور شاعر جناب نسیم انصاری نے تقریب کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی۔ صاحب صدر جناب عزیز قریشی نے جو بحیثیت چیئرمین اردو اکادمی میزبان بھی تھے، مہمانوں کا استقبال کیا۔ ڈاکٹر رضیہ حامد نے اپنی تقریر میں فکر و آگہی علی گڑھ نمبر کے مشمولات پر روشنی ڈالی۔ جناب رہبر جونپوری نے رضیہ حامد صاحبہ کی علمی اور صحافتی سرگرمیوں کا احاطہ کرتے ہوئے منظوم خراج تحسین پیش کیا۔ پروفیسر طاہر محمود (دہلی) نے رسالہ 'فکر و آگہی' اور علی گڑھ کے حوالے سے دل چسپ انداز میں باتیں کیں اور سامعین کرام کو محظوظ کیا۔ رسالہ اور کتاب کی رسم اجرا کے بعد جناب اختر سعید خاں نے اپنے تاثرات بیان کیے اور کہا کہ بھوپال کو جدید علمی قدروں سے ہم آہنگ کرنے والی فرماں روا نواب سلطان جہاں بیگم کے خواب کی تعبیر ہیں ڈاکٹر رضیہ حامد جن کے کارنامہ کو آج سراہا جا رہا ہے۔

لندن سے آئے مہمان ادیب و شاعر جناب اکرام اشعر نے بھوپال کے حوالے سے اپنے بچپن کی یادوں کو تازہ کیا۔ وہ اس مصرع کی تفسیر نظر آئے کہ

قطرہ جو گہر ہوا عدن سے نکلا

جناب اکرام اشعر لندن میں ایک کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ مگر بھوپال ان کے ماضی کی جنت ہے۔ معروف ادیب و شاعر جناب رفعت سروش نے 'فکر و آگہی' کے ادارے سے اپنے دیرینہ تعلق کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس رسالے کی ایڈیٹر ڈاکٹر رضیہ حامد کی علمی سرگرمیوں کی پذیرائی جو دہلی اور بھوپال کے ادبی حلقوں میں ہوئی، ان کی انتھک محنت اور کوششوں کی بدولت ہے اور وہ بے لوث ادبی کام کرنے والی شخصیات کا دستہ ہیں۔ اس موقع پر جناب رفعت سروش نے چھوٹے پیمانے پر غیر سرکاری ادبی پرچوں کو درپیش مشکلات اور پریشانیوں کا ذکر بھی کیا۔

ممتاز ماہر غالبیات اور مشہور محقق ڈاکٹر خلیق انجم نے ڈاکٹر رضیہ حامد کی علمی صلاحیتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے جس انداز سے 'فکر و آگہی' کے خصوصی ضخیم اور تاریخی حیثیت کے حامل نمبر نکالے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

آخر میں حال ہی میں انتقال فرمانے والی شخصیات "فکر و آگہی" کے سرپرست جناب سید فتح علی مرحوم، جناب جہاں قدر چغتائی مرحوم، جناب ممتاز سلیم مرحوم اور ڈاکٹر ظفر علی شاہ مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا گیا اور دو منٹ کی خاموشی اختیار کر کے اپنے قلبی رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔

(سید محمد عاصم)

اداریہ

کرناٹک میں علاحدہ اردو ڈائرکٹوریٹ کا مطالبہ

کرناٹک میں عام شکایت ہے کہ حکومت اردو تعلیم پر اتنا ہی روپیہ خرچ کر رہی ہے جتنا وہ کنڑ اور دوسری زبانوں پر کرتی ہے۔ لیکن انجمن ترقی اردو کرناٹک کئی سال سے حکومت کے ذمہ داران سے شکایت کر رہی ہے کہ اردو اسکولوں کی نگرانی کا معاملہ دوسری زبانوں کے میڈیم کے اسکولوں سے الگ رکھنا چاہیے۔ انجمن کو شکایت ہے کہ اردو اساتذہ اپنی ذمہ داری نبھانے میں بہت لاپرواہ ہیں، خاص طور سے اردو میڈیم پرائمری اسکولوں کے اساتذہ تعلیمی مشاغل میں بہت کم دلچسپی لیتے ہیں۔ جس زمانے میں رام کرشن ہیگڑے کرناٹک کے وزیر اعلا تھے تو انجمن ترقی اردو کرناٹک اور کرناٹک کی دوسری ادبی انجمنوں نے مطالبہ کیا تھا کہ صوبائی حکومت ایک ایسا اردو ڈائرکٹوریٹ قائم کرے جو اردو اسکولوں کے تعلیمی اور دیگر مسائل کا جائزہ لے کر حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کرے۔ رام کرشن ہیگڑے صاحب نے انجمن ترقی اردو کا یہ مطالبہ مان لیا تھا اور ۱۹۸۵ء میں کرناٹک کے اردو والوں سے بہت جلد ایک اردو ڈائرکٹوریٹ قائم کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ لیکن اس وعدے کا وہی حشر ہوا جو اردو کے سلسلے میں اتر پردیش کے وزرائے اعلا کے وعدوں کا ہوتا ہے۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ جب اتر پردیش کے وزرائے اعلا اردو کو سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلے میں کچھ وعدے کرتے ہیں تو ان کا ذہن بالکل صاف ہوتا ہے کہ یہ وعدہ صرف وعدہ ہے۔ ان وزرائے اعلا کا وعدہ اردو شاعری کے محبوب کا وعدہ ہوتا ہے جو کبھی پورا نہیں ہوتا اور جس کے لیے غالب نے کہا تھا کہ۔

ترے وعدے پر جیے ہم یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

غرض یہ ہے کہ اردو ڈائرکٹوریٹ وجود میں نہیں آیا۔ کرناٹک کے وزیر اعلا ایچ. ڈی. دیوگوڑا جنھیں بعد میں ملک کا وزیر اعظم بننے کا بھی شرف حاصل ہوا، اردو دشمنی میں یوپی کے تمام وزرائے اعلا سے بھی بازی لے گئے۔ دیوگوڑا صاحب سے بھی اردو ڈائرکٹوریٹ کا مطالبہ کیا گیا، انھوں نے اسے رد کر دیا۔ ان بزرگ کی اردو دشمنی کا حال تو یہ تھا کہ کرناٹک کے ایک اردو دوست خواجہ عبدالعظیم الامین کے ایک مراسلے کے مطابق "جب کرناٹک ہائی کورٹ نے اردو دشمن گوکاک کمیٹی کی رپورٹ کو مسترد کر دیا تو دیوگوڑا نے ایڈوکیٹ جنرل کو حکم دیا کہ کم سے کم چالیس ماہرین قانون کی خدمات حاصل کر کے ہر قیمت پر سپریم کورٹ میں اردو کے خلاف گوکاک کمیٹی رپورٹ کا مقدمہ جیتا جائے"۔ جب دیوگوڑا کی اردو دشمنی کا یہ حال تھا تو ان سے اردو ڈائرکٹوریٹ کے قیام کے سلسلے میں کیا توقع کی جاسکتی تھی۔

کچھ عرصہ پہلے انجمن اساتذہ کرناٹک نے موجودہ وزیر اعلا ایس. ایم. کرشنا صاحب کو ریاست میں اردو کے مسائل کے سلسلے میں ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں علاحدہ اردو ڈائرکٹوریٹ کے قیام کا مطالبہ بھی کیا گیا۔ حکومت کے بعض ذمہ داران نے یقین دلایا کہ یہ مطالبہ جلد منظور کر لیا جائے گا لیکن حشر وہی ہوا جو پہلی یادداشتوں کا ہوا تھا۔ اس میمورنڈم میں ان علاقوں کی نشاندہی کی گئی تھی جہاں اردو بولنے والوں کی تعداد پندرہ فیصدی یا اس سے زیادہ ہے اور مطالبہ کیا گیا تھا کہ ان علاقوں میں سرکاری طور پر اردو کا استعمال کیا جانا چاہیے۔ لیکن وزیر اعلا کرشنا نے یہ مطالبہ نظر انداز کر دیا۔

کرناٹک کے اردو والوں کے یہ مطالبے جائز ہیں کہ ریاست کے جن علاقوں میں اردو بولنے والوں کی تعداد پندرہ فیصدی ہے وہاں اردو میں درخواستیں قبول کی جائیں اور ان کا جواب اردو میں دیا جائے۔ گورنمنٹ کے نوٹس اور اطلاعات وغیرہ بھی اردو میں جاری کی جانی چاہئیں اور ایک ایسا علاحدہ اردو ڈائرکٹوریٹ قائم کیا جانا چاہیے جو اردو اسکولوں کی مناسب نگرانی کر سکے۔

مولانا عبدالسلام ندوی کو ان کے علمی اور تحقیقی کارناموں سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا

صابو صدیق پالی ٹیکنک میں منعقدہ سمینار میں علماء اور دانشوروں کا اظہار خیال

ممبئی۔ دنیا میں بہت سے لوگ آئے اور خاموشی کے ساتھ چلے گئے مگر دنیا نے نہ تو انھیں یاد رکھا اور نہ ہی ان کے کارناموں کو سراہا۔ مگر کچھ شخصیات ایسی گزری ہیں جنھیں ان کے علمی اور تحقیقی کارناموں کی وجہ سے یاد رکھا جائے گا۔ مولانا عبدالسلام ندوی ایسی شخصیات میں سے تھے۔

مولانا شبلی نعمانی کی زندگی کا جب آخری وقت آیا اور سیرۃ النبی کا کام مکمل نہ ہو سکا تو انھوں نے سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالسلام ندوی کو بلایا اور فرمایا کہ شاید قدرت کو سیرۃ النبی کی تکمیل مجھ سے کرانا منظور نہیں ہے اس لیے اب بقیہ کام آپ لوگوں کے حوالے ہے اور آپ دونوں مشترکہ طور پر شبلی بن جائیے۔

"مولانا عبدالسلام ندوی۔ حیات اور علمی فتوحات" کے عنوان کے تحت صابو صدیق پالی ٹیکنک میں منعقدہ سمینار میں دانشوروں، پروفیسروں، ادیبوں اور صحافیوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ۱۳ر اکتوبر ۲۰۰۱ء کو اس سمینار کے دو اجلاس منعقد ہوئے تھے۔ پہلے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر عبدالغنی نے فرمائی۔

ڈاکٹر خلیق انجم نے اپنی تقریر میں کہا کہ جو قومیں اپنے بزرگوں کو بھول جاتی ہیں ان کی ترقی محدود ہو جاتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے مولانا عبدالسلام ندوی ہی نہیں بلکہ اپنے کسی سلف کو یاد نہیں رکھا۔ انھوں نے ڈاکٹر بشفاف والا سے کہا کہ ہم مل کر ایک ایسا ٹرسٹ قائم کریں تاکہ اپنے اسلاف کے کارناموں کو اجاگر کر کے ان کے قیمتی علمی سرمائے کو عام کیا جائے۔

ڈاکٹر بشفاف والا نے ڈاکٹر خلیق انجم کے خیال سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ مولانا کی غیر مطبوعہ تصانیف کی اشاعت کے سلسلے میں میں ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہوں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ انجمن اسلام کی جانب سے مولانا عبدالسلام نمبر بھی نکالا جائے گا۔

پروفیسر عبدالمغنی نے کہا کہ دارالمصنفین ایک شجر ہے اور اس کے دو ثمرے ہیں سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالسلام ندوی۔ ہم نے مولانا عبدالسلام ندوی کو فراموش کر کے اس شجر کو نقصان پہنچایا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ اب بمبئی کے کچھ حضرات مصرع ثانی یعنی مولانا عبدالسلام ندوی کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔

دارالمصنفین کے ناظم اعلا مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے کہا کہ مولانا شبلی نعمانی اور ان کے چہیتے شاگرد کی یادگار (دارالمصنفین) ان دنوں جن حالات کا شکار ہے ان کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے کہا کہ مولانا کی غیر مطبوعہ تصانیف کے شائع کرنے کی سب سے زیادہ ذمہ داری دارالمصنفین پر ہی عائد ہوتی ہے کیوں کہ مولانا کی زندگی کا بیشتر حصہ اسی ادارے میں گزرا ہے۔ انھوں نے کہا کہ مولانا تمام موضوعات پر مضامین لکھنے پر قادر تھے۔ ان کی تحریروں کی خصوصیت یہ تھی کہ ان میں علامہ شبلی کا رنگ جھلکتا تھا۔

معروف صحافی شمیم طارق صاحب نے کہا کہ شبلی کے علمی مشن کو آگے بڑھانے کا کام ان کے مداحوں نے بھی کیا ہے اور شاگردوں نے بھی، مگر شاگردوں میں سید سلیمان ندوی اور عبدالسلام ندوی کو اولیت حاصل ہے۔ عبدالسلام ندوی کو ایک طرح سے ان سب میں اولیت حاصل ہے کیوں کہ جادۂ شبلی پر وہ پوری طرح قائم رہے۔ سمینار کے کمیٹی کے چیئرمین جناب محمد شمیم نے کہا کہ اگر دارالمصنفین مولانا مرحوم کے مسودے ہمیں دے دے تو ہم ان کی اشاعت کی کوشش کریں گے۔

پروفیسر کبیر احمد جائسی نے اپنے مقالے "مولانا عبدالسلام ندوی کی غیر مطبوعہ تصانیف" میں کہا کہ میرے علم میں مولانا کی سات غیر مطبوعہ کتابیں ہیں جنھیں زیور طبع سے آراستہ کر کے منظر عام پر لایا جائے۔ انھوں نے پاکستان کے ماہنامہ نقوش کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ مولانا کے مضامین کو اس نے اپنے نام سے شائع کیا ہے جس کی ہمیں خبر بھی نہیں ہوئی۔

پرنسپل ہارون اعظمی نے اپنی استقبالیہ تقریر میں کہا کہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ایسے سمینار منعقد کروائیں تاکہ نئی نسل ہمارے بزرگوں کے کارناموں سے باخبر ہو سکے۔ انھوں نے کہا کہ آئندہ سال اقبال سہیل پر سمینار کیا جائے گا۔

دوسرے اجلاس میں بھی دانش وروں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مولانا عارف عمری نے مولانا عبدالسلام ندوی کی علمی نگارشات کے موضوع پر اپنے مقالے میں کہا کہ عبدالسلام ندوی کے تعلق سے لوگ فقط شعرالہند کے بارے میں جانتے ہیں جب کہ مولانا نے قرآن و حدیث پر بھی کافی کام کیا ہے اور بہت سارے مسائل کا انتہائی آسان حل پیش کیا ہے۔

حافظ عمیر صدیقی دریابادی نے اپنے مقالے میں کہا کہ مولانا کے علمی سفر کا آغاز 'الندوہ' سے ہوا اور آپ کا پہلا مضمون 'نتائج' شائع ہوا جس میں مولانا شبلی نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔

ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی نے اپنے مقالے "عربی زبان و ادب، تراجم اور مولانا عبدالسلام ندوی" میں کہا کہ مولانا کو اسلامیات، ادبیات کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی کافی دسترس حاصل تھی۔ مولانا کی یہ خصوصیت بھی تھی کہ وہ ترجمہ کو بالکل تصنیف کے ہو بہو پیش کر دیتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ مجھے مولانا کے شعرا کے بارے میں نظریات سے اختلاف ہے اور اس پر انھوں نے اظہار خیال بھی کیا۔

جلسے کا آغاز قاری زبیر احمد عثمانی کے تلاوت قرآن پاک سے ہوا اور رسم شکریہ صابو صدیق پالی ٹیکنک اسکول کے پرنسپل بلال احمد مومن نے ادا کی۔ اس کے علاوہ تمام مقررین کو مومنٹو بھی پیش کیا گیا۔

دوسرے اجلاس کی نظامت مشہور شاعر جناب عبدالاحد ساز نے کی۔

دوسرے روز کا تیسرا اجلاس ۱۴ر اکتوبر بروز اتوار صبح دس بجے پروفیسر محمد شمیم جیراجپوری (سابق مسٹر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد) کی

(بقیہ صفحہ ۸ پر)

اردو دنیا

اردو اساتذہ کا تقرر نہ ہونے پر احتجاج کی دھمکی

بسوا کلیان۔ گورنمنٹ اردو ہائی اسکول بسوا کلیان میں اساتذہ کی چار اسامیاں منظور ہوئی تھیں، مگر اس میں صرف دو اساتذہ ہی کام پر مامور ہوئے ہیں۔ اساتذہ کے نہ ہونے سے ہائی اسکول میں اردو طلبہ کا مستقبل خطرے میں ہے۔ گورنمنٹ اردو مڈل پرائمری اسکول میں سات سو طلبہ پڑھتے ہیں جب کہ صرف پانچ مدرس اس اسکول میں ہیں۔ اس طرح گورنمنٹ اردو پرائمری اسکول میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کا مستقبل تاریک ہے۔ گورنمنٹ ہالی اردو پرائمری اسکول میں پانچ سو طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں جب کہ یہاں پر اتنی زیادہ تعداد ہونے کے باوجود نہ اچھی عمارت ہے اور نہ ہی ٹیچرس مکمل ہیں۔ بسوا کلیان میں ایک درجن سے زائد اردو اسکول غیر سرکاری ہیں۔ ان اسکولوں کو آج تک گورنمنٹ سے کوئی مالی امداد نہیں ملی۔ اس کے علاوہ اس تعلق کے بڑی آبادی والے دیہاتوں جیسے کوہ نور، منالہ، راجیشور اور ہلسور میں اسکول اور اساتذہ کی بہت کمی پائی جاتی ہے۔ مائناریٹی ویلفیر ایسوسی ایشن بسوا کلیان کی جانب سے ڈی ڈی پی آئی بیدر کو صدر ایسوسی ایشن جناب محمد تاج الدین نے ایک یادداشت روانہ کرتے ہوئے متنبہ کیا ہے کہ اردو میڈیم کے اساتذہ کی خالی اسامیوں پر تقررات نہیں کیے گئے تو سخت احتجاج شروع کیا جائے گا۔ جناب محمد تاج الدین نے مطالبہ کیا ہے کہ ضلع بیدر میں کنڑا ٹیچرس کے مساوی اردو ٹیچرس کے تقررات کیے جائیں، کیونکہ اردو ٹیچرس کی اسامیاں خالی ہیں۔ اس کے باوجود صرف کنڑا ٹیچرس کے تقررات کیے جارہے ہیں۔

(سالار۔ بنگلور)

نرمل میں DPEP اسکیم کے تحت اردو پرائمری اسکول کا قیام

نرمل۔ جناب محمد خواجہ کریم الدین صدر مسجد و محلہ کمیٹی نرمل، پورہ، بیگم پلی کی صدارت میں پرائمری اسکول کی افتتاحی تقریب منعقد ہوئی۔ DPEP کے تحت پرائمری اسکول کا افتتاح مہمان خصوصی جناب عظیم بن حسنی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ عظیم بن حسنی صاحب نے کہا کہ آج آندھرا پردیش میں اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے لیے مجلس اتحاد المسلمین جی جدوجہد کررہی ہے اور حکومت سے موثر نمائندگی کرتے ہوئے اردو زبان کو انصاف دلانے کے لیے زور دے رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ڈی۔ پی۔ ای۔ پی کے تحت ضلع عادل آباد میں ۹۱ اردو میڈیم اسکولوں کی منظوری حاصل ہوئی ہے جس میں نرمل ٹاؤن کے لیے ۹ اسکولوں کی منظوری شامل ہے۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

ممبئی میں بچوں کا اردو میلہ

ماہنامہ "گل بوٹے" کے زیر اہتمام ۵ر اور ۶ر جنوری ۲۰۰۲ء کو بمقام انجمن اسلام سیف طیب جی گرلز ہائی اسکول بلاسس روڈ، ممبئی-۸ بچوں کے ایک اردو میلہ کا انعقاد عمل میں آرہا ہے جس میں تقریری مقابلے، مضمون نویسی مقابلہ، خوشخطی مقابلہ، موونگ مقابلہ، پینٹنگ مقابلے، قصہ گوئی، فینسی ڈریس، جنرل نالج کوئز، بیت بازی، پورٹریٹ مقابلہ اور ڈرامہ مقابلہ ہونا طے پایا ہے۔ اس موقع پر بچوں کا شاندار تمثیلی مشاعرہ بھی پیش کیا جائے گا۔ اس میلہ میں بچوں کے لیے ایک "فن فیر" بھی ہوگا جس میں کتابیں، کھلونے اور بچوں کی دیگر دلچسپیوں سے متعلق دکانیں لگیں گی۔

میلہ کے انعقاد کے سلسلے میں مورخہ ۱۱ر اکتوبر ۲۰۰۱ء کو ایک مشاورتی میٹنگ منعقد کی گئی جس میں یہ طے پایا کہ تمام مقابلوں کا پہلا راؤنڈ ۲۹ر اور ۳۰ر دسمبر ۲۰۰۱ء کو شہر کے اردو اسکول میں ہوگا۔ گل بوٹے کی سالانہ خریداری پر ایک گل دستہ اسکیم کا اہتمام کیا گیا ہے جس میں پہلا انعام کمپیوٹر، دوسرا انعام وی۔ سی۔ ڈی پلیئر، تیسرا انعام دو سائیکل اور دیگر بہت سے انعامات دیے جائیں گے۔ میلہ سے قبل بھولا میدان سے انجمن اسلام گرلز ہائی اسکول بلاسس روڈ تک ایک جلوس کا اہتمام کیا جائے گا۔

(رفیق گلاب)

"اردو مراٹھی کے ادبی اور لسانی رشتے" کے موضوع پر پونے میں دو روزہ سمینار

مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکادمی اور دکن مسلم ایجوکیشن اینڈ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پونے کے زیر اہتمام "اردو مراٹھی کے لسانی اور ادبی رشتے" کے موضوع پر ۶ر اور ۷ر اکتوبر ۲۰۰۱ء کو دو روزہ سمینار کا انعقاد کیا گیا۔ اکادمی کے ممبر سکریٹری جناب ساجد رشید نے مہمانوں کا استقبال کیا اور زبانوں کے آدان پردان کی اہمیت پر زور دیا۔ ڈاکٹر عبدالستار دلوی نے اس موضوع کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے نئے مترجمین کو آگے آنے کی بات کی۔ ۶ر اکتوبر کے افتتاحی اجلاس کی صدارت مشہور اردو مراٹھی مترجم جناب شری پاد جوشی نے کی۔ موصوف نے وردھا کے آشرم میں گاندھی جی کے ساتھ گزرے دنوں کا ذکر کرتے ہوئے گاندھی جی کی ہدایت پر دلی جاکر اردو سیکھنے اور بعد میں اس زبان کے شہ پاروں کو مراٹھی میں ترجمہ کرنے کی بات کی۔ جوشی صاحب نے قرۃ العین حیدر کا ناول "آگ کا دریا" اور ترقی پسند دور کی متعدد اردو کہانیوں کو مراٹھی زبان میں منتقل کرنے کا اہم رول ادا کیا ہے۔ اسی تقریب میں کمشنر برائے ثقافتی امور جناب نذیر پٹیل (آئی اے ایس) کے ہاتھوں انھیں ۹۹-۱۹۹۸ء کا ستیہ بھاما سورا لکچری اردو مراٹھی تراجم انعام کا مبلغ پندرہ ہزار روپیوں کا چیک پیش کیا گیا۔ سمینار میں جناب نذیر پٹیل، محترمہ عابدہ انعامدار اور جناب منور پیر بھائی بطور مہمانان خصوصی شریک رہے۔ اسی اجلاس میں ڈاکٹر فاطمہ پروین، ڈاکٹر رام پنڈت اور سلام بن رزاق نے اپنے مقالات پیش کیے۔ ۷ر اکتوبر کی صبح سمینار کے دوسرے روز کے پہلے اجلاس میں یعقوب راہی، حنیف نشید، ڈاکٹر شرف النہار، بشیر احمد انصاری اور محترمہ بدرالنساء پیر بھائی نے اپنے مقالات پیش کیے۔ جلسے کی صدارت جناب سلام بن رزاق نے کی۔ سہ پہر کے اجلاس میں جناب اسمٰعیل شیخ ناگ، محمد حسین پرکار، انیس چشتی اور جناب محمد سلیم شیخ نے اپنے مقالات پیش کیے۔ اس سیشن کی صدارت جناب یعقوب راہی نے کی۔ نظامت کے فرائض اکیڈمی آفیسر جناب وقار قادری نے انجام دیے۔

(پریس ریلیز مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکادمی)

جونیر کالج بانسواڑہ میں اردو میڈیم انٹر میڈیٹ کلاس کی منظوری

بانسواڑہ۔ ڈائرکٹر اسکول ایجوکیشن نے بانسواڑہ جونیر کالج میں اردو میڈیم انٹر میڈیٹ کی منظوری دے دی ہے۔ اس سلسلے میں صدر انجمن ترقی اردو بانسواڑہ جناب محمود حسین نے پرنسپل جونیر کالج سے ملاقات کی۔ پرنسپل نے کہا کہ اگر دس طالبات ایس۔ ایس۔ سی سرٹیفکٹ کے ساتھ داخلہ حاصل کریں تو اردو میڈیم انٹر میڈیٹ سال اول کلاس کا آغاز کیا جائے گا۔ جناب ایم۔ اے۔ وحید ننگو، وظیفہ یاب تعلیمی عملہ بانسواڑہ نے سرپرستوں سے اپیل کی کہ وہ اس موقع سے استفادہ کریں اور لڑکیوں کو داخلہ دلوائیں۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

کریم نگر میں اساتذہ کی خالی اسامیوں پر تقررات میں غفلت کا مظاہرہ

کریم نگر۔ ضلع کریم نگر میں ٹیچروں کی خالی اسامیوں پر تقررات کے لیے منعقدہ ڈی ایس سی ۲۰۰۱ء میں کریم نگر ضلع کا محکمہ تعلیمات جناب رادھا کرشنن نے غفلت و کوتاہی کا مظاہرہ کیا ہے۔ حالانکہ محکمہ تعلیمات اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ ضلع میں اردو میڈیم اسکولوں میں مضمون کی کون سی اسامی خالی ہے لیکن تساہلی یا جانبدارانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے جملہ ۱۸۰ اسامیوں کی نشاندہی کی ہے۔ اے ایس جی ٹی، ۳ اسکول اسسٹنٹ ریاضی، ایک اسکول اسسٹنٹ سوشیل اسٹڈیز، ایک اسکول اسسٹنٹ سائنس، ایک اردو پنڈت گریڈII، دو اردو پنڈت گریڈ I ہے جب کہ جملہ ۱۹۸ مختلف مقامات پر اردو اسامیاں خالی ہونے کے علاوہ ۲۷ مزید اردو پرائمری اسکول کھولے جانے کے لیے رپورٹ تیار کرکے داخل کیے جاچکے ہیں۔ فی الحال موجودہ صورت حال میں ۱۸۰ اسامیوں کے علاوہ مزید ۱۱۸ خالی اسامیوں پر فوری تقررات کی اشد ضرورت ہے۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

مولانا ابوالکلام کی یوم پیدائش کو یوم قومی تعلیم منانے کا فیصلہ

حیدرآباد۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے یوم پیدائش کے پروگرام کو قطعیت دینے کے لیے تیاری کمیٹی کا اجلاس ۲۳ر ستمبر کو صدر اردو تعلیمی کمیٹی جناب جلیل پاشا کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ماہرین تعلیم، دانشور، ادیب، شعرا اور مختلف سیاسی و سماجی تنظیموں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ اس موقع پر تیاری کمیٹی نے مولانا آزاد کے یوم پیدائش کی تقریب کو وسعت دیتے ہوئے ہفتہ یوم قومی تعلیم کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ صدر کمیٹی جناب جلیل پاشا نے کہا کہ اردو تعلیمی کمیٹی نے مولانا آزاد کے یوم پیدائش کی تقریب کو "یوم قومی تعلیم" کی

مصنفین کی تصویروں کا البم

انجمن ترقی اردو (ہند) اردو کے مصنفین کا ایک البم تیار کررہی ہے۔ اب تک لگ بھگ چار سو تصویریں جمع ہوچکی ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مصنفین کو انعام یا اعزاز ملنے پر ان کی تصویریں درکار ہوتی ہیں۔ حکومت اور رسالوں کی طرف سے مصنفین کی تصویروں کی فرمائش آتی رہتی ہے۔ اگر حالات سازگار ہوئے تو ہم مصنفین کا البم بھی شائع کریں گے۔ عنایت ہوگی اگر آپ اپنی ایک کیبنٹ سائز تصویر ارسال فرمادیں۔ یہ تصویر اگر Black and White ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ تصویر کے ساتھ اپنی تاریخ ولادت اور جائے ولادت ضرور لکھیے۔

انجمن ترقی اردو (ہند)

اردو گھر، ۲۱۲-راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲

اپیل

برائے تعمیر اردو گھر نور اللہ روڈ، الہ آباد

محترم خواتین و حضرات!

آپ کو علم ہوگا کہ ہندوستان ایجوکیشن اینڈ ویلفیر سوسائٹی الہ آباد کافی دنوں سے تعلیم کے میدان میں ملک و ملت کی خدمت انجام دے رہی ہے۔ کریلی کالونی میں لڑکیوں کے ہائی اسکول کے علاوہ بچیوں کی تعلیم اور کمپیوٹر کورس وغیرہ بھی اس کے زیر اہتمام چل رہے ہیں۔ ایک عرصہ سے یہ ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اردو داں اکثریتی علاقے میں ایک لائبریری اور دار المطالعہ ہو جہاں اردو زبان و ادب اور تہذیب و ثقافت کی ترویج و اشاعت کا کام ہو اور ایک ایسا مرکز ہو جہاں اس سلسلے کی نشستیں، سمپوزیم اور سیمنار وغیرہ منعقد کیے جا سکیں۔

خدا کا شکر ہے کہ ہمارے چند احباب کی کوششوں سے محکمہ الہ آباد نے نور اللہ روڈ کے چنگی گھر کی دکانوں کے اوپری حصے کو مذکورہ سوسائٹی کے نام الاٹ کر دیا ہے جس میں سوسائٹی نے ایک اردو گھر کی تعمیر کا فیصلہ کیا ہے اور اس کام کے لیے ایک تعمیری کمیٹی کی تشکیل کر دی ہے جس کی تعمیر کا سلسلہ جلد از جلد شروع کیا جانا ہے۔ لیکن تعمیر و تشکیل کا یہ مرحلہ اتنا آسان نہیں اور کسی ایک کے بس کا بھی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کام میں خاصے مصارف درکار ہوں گے۔

چناں چہ ہم نے تمام محترم حضرات، محبان اردو اور ان احباب کے بھروسے اس کا بیڑا اٹھایا ہے جو اردو زبان کی بقا، ادب، تہذیب و ثقافت اور معاشرتی تمدن کے لیے فکر مند رہتے ہیں لہٰذا اس تاریخی اور یادگار کام کے سلسلے میں آپ تمام حضرات سے استدعا کرتے ہیں کہ اس کار خیر میں دل کھول کر ہماری معاونت کریں تاکہ اردو اکثریت آبادی کے علاقے میں ایک ایسا مرکز قائم ہو جائے جس سے ہم اور ہماری نسلیں استفادہ کر سکیں۔

لہٰذا آپ سے ایک بار پھر گزارش ہے کہ اردو گھر کی تعمیر میں تعاون فرمائیں۔ یہ مدد رقم کے علاوہ اینٹ، بالو، سیمنٹ، سریا وغیرہ کی فراہمی سے بھی ہو سکتی ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ آپ اپنی بیداری، ہوش مندی، علم دوستی اور اردو نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے تعاون سے سرفراز کریں گے۔

المستدعین: بیگم شکیلہ خاں، کرنل ایس ایم اختر، محمد عبد القدیر، حشمت اللہ، خورشید نقوی، فخر الکریم، اسرار گاندھی، علی احمد فاطمی، ایس۔ ایم۔ اے۔ کاظمی، عتیق الٰہ آبادی، اقبال رحمت اعظمی۔

حیثیت سے منانے کے لیے وزیر اعظم جناب اٹل بہاری واجپئی اور چیف منسٹر جناب این چندرا بابو نائیڈو سے نمائندگی کی ہے۔ اس سلسلے میں ریاستی حکومت کی جانب سے پرائمری سطح سے لے کر یونیورسٹی سطح تک یوم تعلیم منانے کے لیے باقاعدہ جی او جاری کیا گیا ہے۔ جلیل پاشا صاحب نے کہا کہ قومی قائدین ڈاکٹر ایس۔ رادھا کرشنن اور پنڈت جواہر لعل نہرو کے یوم پیدائش کو یوم اساتذہ اور یوم اطفال کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اسی طرح ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کی یوم پیدائش کی تقریب کو ملک گیر سطح پر منانے کے لیے مرکزی اور ریاستی حکومت کو باقاعدہ اعلان کرنا چاہیے۔ کیا۔ نی کمیٹی نے

ریاستی حکومت سے مطالبہ کیا کہ ان تقاریب کا سرکاری سطح پر انعقاد عمل میں لاتے ہوئے طلبہ کو خواندگی کا عہد دلانے کے لیے اردو، تلگو، انگریزی اور ہندی زبانوں میں تحریری و تقریری مقابلے جات اور کوئز کے انعقاد کے علاوہ مولانا آزاد کی حیات اور کارناموں سے نئی نسل کو واقف کرانے کا اہتمام کرے۔

(منصف۔ حیدرآباد)

اردو میڈیم مدارس کے ساتھ
معاندانہ رویہ

حیدرآباد۔ ۲۵ اردو میڈیم حیدرآباد کے ایک پریس نوٹ سے مطابق ڈاکٹر محمد ویاء الحق کاتب ... اردو مدارس کے سروے سے دوران معلوم ہوا کہ جن ...

وسکیم کے تحت چلنے والا اردو میڈیم اسکول جس میں ۸۴ بچے زیر تعلیم ہیں، جہاں دو اردو میڈیم خواتین اساتذہ مامور ہیں اور جو کہ کرایہ کے مکان میں واقع ہے۔ اس اسکول کا قیام عمل میں آئے ہوئے پانچ ماہ کا عرصہ ہو رہا ہے لیکن حیرت کی بات ہے کہ آج تک نہ ہی اساتذہ کی تنخواہیں ملی ہیں نہ ہی کرایہ مکان وصول ہوا ہے جس کی وجہ سے اساتذہ بے حد پریشان ہیں۔ بزم اردو اور باب مجاز سے پر زور اپیل کرتی ہے کہ اردو دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے جلد از جلد اساتذہ کی پانچ ماہ کی تنخواہیں اور کرایہ مکان ادا کروائیں۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

اردو میڈیم پرائمری اسکول کا صالح نگر گولکنڈہ میں قیام

حیدرآباد۔ پرائمری اسکول اردو میڈیم صالح نگر گولکنڈہ کا ۱۴ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو جناب خواجہ معین الدین ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس منتقد پوروہ ٹیچ نے افتتاح کیا۔ جناب مجید روشن، جناب محمد عبدالعظیم اور جناب ظہیر مدرس نے اردو میڈیم پرائمری اسکول کے قیام کو خوش آئند قرار دیا اور اس کی اہمیت و افادیت کو واضح کیا۔ اس سلسلے میں کی جانے والی کوششوں کی ستائش کی اور طلبہ و طالبات کے سرپرستوں کو متوجہ کیا کہ وہ اپنے بچوں کو اردو میڈیم کے مدارس میں شریک کروائیں جو وقت کا اہم تقاضا ہے اور اس سلسلے میں جناب خواجہ معین الدین ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس منتقد پوروہ ٹیچ کی خدمات کو سراہا۔

(منصف۔ حیدرآباد)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کو 'بیسٹ یونیورسٹی ٹیچر ایوارڈ۔۲۰۰۰ء'

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کو "بیسٹ یونیورسٹی ٹیچر ایوارڈ ۲۰۰۰ء" کا حقدار قرار دیا گیا ہے۔ حکومت پاکستان کے ایک منصوبے کے تحت یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے زیر اہتمام ہر یونیورسٹی کو دو دو ایوارڈز دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ ایک ایوارڈ سائنس کے شعبوں اور دوسرا عمرانی علوم کے شعبوں کے لیے۔ پنجاب یونیورسٹی سے دو اساتذہ نے یہ ایوارڈ حاصل کیا۔ سائنس کے شعبوں سے ڈاکٹر ظفر اقبال (کیمیا) اور عمرانی علوم کے شعبوں سے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (اردو)۔ دونوں اساتذہ کو یہ ایوارڈ ۲ر فروری ۲۰۰۱ء کو اسلام آباد میں منعقد ہونے والی ایک تقریب میں دیے گئے جس میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے چیئرمین آئی ایچ عثمانی مہمان خصوصی تھے۔

اک دیا اور بجھا

پروفیسر سید مجاہد حسین حسینی کی اطلاع کے مطابق ممبئی کے مشہور شاعر جناب شبیہ احمد خاں آثر بدایونی جن کی عمر بمشکل ۵۲ سال تھی، ۱۹ر ستمبر ۲۰۰۱ء کی صبح اپنی رہائش گاہ واقع متصل نور مسجد (راؤڑی، تھانے) پر انتقال فرما گئے۔ بی۔ اے اور ایل ایل بی کی تعلیم کے بعد وہ وکالت کرنا چاہتے تھے لیکن والد حضرت جاہ بدایونی کی اچانک وفات کے بعد وہ سعودی عرب چلے گئے، واپس پر بونی ادویات کا دواخانہ قائم کیا۔ مرحوم کافی پر دل عزیز افسانہ اور مالیاتی کے شاعر تھے۔ ان کی رحلت سے اردو زبان و ادب کا ایک شیدائی اور خدمت گزار جاتا رہا۔

ادارہ "ہماری زبان" مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔

(ادارہ)

شعبۂ اردو ممبئی یونیورسٹی میں انور خاں کی وفات پر

تعزیتی جلسہ

گزشتہ دنوں اردو کے مشہور و معتبر افسانہ نگار جناب انور خاں کے سانحۂ ارتحال پر شعبۂ اردو ممبئی یونیورسٹی کی جانب سے جے۔ پی۔ نایک بھون کالینہ کیمپس میں ایک تعزیتی نشست کا انعقاد عمل میں آیا جس میں ممبئی کے ادبا و شعرا نیز دیگر ادب نواز، علم دوست حضرات نے شرکت فرمائی۔ اس نشست کی صدارت کرتے ہوئے جناب یوسف ناظم نے کہا کہ ایک زمانہ تھا جب مکتبہ جامعہ اردو ادیبوں اور شاعروں کا ایک پرکشش مرکز تھا جہاں ہر شام تمام لوگ اکٹھا ہوتے اور بحث و مباحثہ اور تبادلۂ خیالات کا سلسلہ جاری رہتا۔ ان میں سب سے بزرگ شخصیت شہاب مالیر کوٹلوی کی تھی تو سب سے کم سن، شاداب اور سرسبز شخصیت تھی انور خاں کی۔ مکتبے کی انہی مجلسوں کے دوران انور خاں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز کیا اور تجریدی اور علامتی افسانے لکھے اور بہت کم وقت میں شہرت حاصل کر لی۔ یوسف ناظم صاحب نے کہا کہ ان دنوں جب ممبئی کی ادبی شخصیتوں کی وفیات کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا جا رہا ہے، دو موتیں میں نے ایسی دیکھیں جنھوں نے مجھے بے حد سوگوار کر دیا۔ ایک نوجوان ادیب انور قمر خاں کی اور دوسری افسانہ نگار انور خاں کی۔ ان دونوں سے ادبی دنیا کو بہت سی امیدیں وابستہ تھیں مگر افسوس کہ قضا انھیں ہمارے ہاتھوں سے چھین لے گئی۔ صدر شعبۂ اردو ممبئی یونیورسٹی پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی نے کہا کہ انور خاں نہ صرف ایک ممتاز افسانہ نگار تھے بلکہ ناول نگاری، تنقید، تبصرہ نگاری وغیرہ میں بھی انھوں نے اپنے قلم کی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ ۱۹۷۰ء کے آس پاس جب اردو غزل کی طرح اردو افسانے پر بھی بحرانی کیفیت کا وقت آیا اور تجریدی اور علامتی افسانوں کی تخلیق اور بھرمار نے قاری کے لیے ترسیل کا ایک مسئلہ کھڑا کر دیا تو اس وقت ممبئی کے چند سر پھرے افسانہ نگاروں نے اپنے قلم کو ڈھال بنایا اور اس صنف کو قتل ہونے سے بچا لیا۔ ان میں انور خاں کا نام سب سے نمایاں ہے جنھوں نے کوئیں سے ڈھکا آسمان جیسے علامتی افسانے بھی لکھے اور باجروئی افسانے بھی۔

جناب ندا فاضلی نے کہا کہ چلتے چلتے رستے میں جب کوئی ہم سفر اچانک غائب ہو جاتا ہے تو موت ایک دہشت بن کر سوار ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انور خاں ادب کا ایک فعال کردار تھے۔ انھیں زندگی نے کم مہلت دی لیکن اس کم مہلت کا ہر لمحہ انھوں نے افسانے، تنقید، تبصرے اور مطالعے میں صرف کیا۔ انھوں نے دوسری زبانوں کے ادب اور ان کے مختلف شعبوں کو قبول کیا اور ان کی روشنی میں اپنا تخلیقی سفر جاری رکھا۔

ڈاکٹر عبدالستار دلوی نے کہا کہ انور خاں ممبئی کے جس علاقے میں پلے بڑھے، اتفاق سے میں نے بھی اسی علاقے میں پرورش پائی۔ ان کی کہانیوں میں ناگپاڑہ اور ممبئی کے جس ماحول کا اور جن کرداروں کا تذکرہ ملتا ہے وہ سب ہمارے دیکھے بھالے ہیں۔ یقیناً انور خاں ایک حقیقت نگار ادیب اور ناقد تھے۔

جناب انور قمر نے بھی ان کے مطالعے کے شوق سے متعلق اپنا ایک مضمون پیش کیا۔ جناب سلام بن رزاق نے کہا کہ انور خاں کے افسانوں میں معروضی انداز تو تھا ہی وہ اپنی زندگی اور رویوں میں بھی معروضی انداز رکھتے تھے اور اپنے کسی مسئلے پر بھی ایک بات کرتے تھے جیسے وہ مسئلہ ان کا نہیں بلکہ کسی اور کا ہو۔

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : سلسلۂ سود و زیاں
مصنف : اطہر عزیز
ضخامت : ۱۱۲ صفحات
قیمت : ۱۰۰ روپے
ناشر : ایڈ شاٹ پبلی کیشنز، ۲-۱۱۰ بھائی لین، فورا فاؤنٹین، ممبئی- ۴۰۰۰۰۳
تبصرہ نگار : رام پرکاش راہی

زیر نظر کتاب میں متعدد غزلیات کے ساتھ چند نظمیں اور دو فلمی شعرا کی تخلیقات کے تراجم اس کی زیب و زینت بن گئے ہیں۔

محترمی یعقوب راہی نے پیش لفظ میں اطہر عزیز میں شخص اور شاعر کے وجود کو تعلقات اور بیشتر ذاتی تعلقات کے آئینے میں نمایاں کرنے کی اپنی طرف سے ایک سنجیدہ کوشش کی ہے اور موصوف کے اچھے اشعار کی حتی الوسع نشاندہی بھی کی ہے لیکن عصری شاعری کے صحت مند رجحانات کی روشنی میں تنقیدی نکتہ نگاہ سے شاعر کی تخلیقی اٹھان اور فنی روش کے بارے میں کوئی خاص روشنی نہیں ڈالی ہے۔ زندگی کی پانچویں دہائی کے اواخر میں پہنچ جانے پر شاعر کے یہاں مشاہدات اور تجربات کی اچھی خاصی پونجی کے باوجود اس پونجی کے رنگا رنگ اجزا کو شاعر نے تنوع یا ابہام کے نام پر علامت نگاری، تجریدی طریق کار یا کسی قابل فہم رمز و ایما کی بدولت معنوی نوعیت کے شعری منطق کے ساتھ کیوں کر اور کہاں تک پیش کیا ہے، ان سب پہلوؤں کی طرف راہی صاحب نے کوئی واضح اشارہ نہیں کیا۔ شاعر کی غزلیت میں تخلیقی جوش، خروش ضرور در پردہ کار ہے۔ چیدہ چیدہ چند شعروں میں بات بنتی دکھائی دیتی ہے اور خیالات یا احساس و جذبات قابل ذکر شعریت میں رنگے رنگائے سامنے آئے ہیں وہ نذر قارئین ہیں۔ ان میں تغزل کے شائبے بھی ہیں اور سردست متاثر کرنے والی فضا بھی ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

> بادہ کے پتہ بتادے جو مجھ کو آدمی کا
> میں ڈھونڈنے چلا ہوں اک ایسے آدمی کو
>
> مجھے سکھا دیے آداب خود قلم یارو
> کہ میری عمر کٹی ہے قلموں کے سائے میں
>
> یارب مرے خلوص تبسم کی خیر ہو
> سب اپنے لگ رہے ہیں کوئی اجنبی نہیں
>
> ممکن ہو تو روشن رکھو احساس کی قندیل
> کب چاند ستاروں نے بھلا ساتھ دیا ہے
>
> دل کی ہر بات کو چہرے پہ ہی لکھو اطہر
> اجنبی شہر میں کس کو یہاں سمجھو گے
>
> عالم ہے جو خلش دل سے دل تو مل ہی گئے
> بس ایک فکر سے فکر کا پیام باقی ہے

غزل میں موثر عصریت لاکر قارئین یا سامعین کے دل میں گھر کرنے کے لیے مزید مشق سخن کی ضرورت ہے۔ اطہر عزیز کی جو دل فکری اس میں خاصی معاون رہے گی۔

اطہر کی نظموں میں اظہار کی قادر البیانی کی بدولت روانی اور شعور کی ترو تازگی ذکر ہے۔ اس سے شگفتگی تو در آتی ہے لیکن مرکزی خیال کا دور دا ہاتھ میں نہیں آتا۔ فلمی نظموں کے تراجم میں بھی یہی صورت حال ہے۔ البتہ اردو ادب میں ان نظموں سے اضافے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

☆☆☆

نام کتاب : شناخت (مجموعۂ کلام)
شاعر : ضمیر ساجد
اشاعت : ۲۰۰۱ء
ضخامت : ۱۲۸ صفحات
قیمت : ۸۰ روپے
ملنے کا پتا : فوزیہ پبلشرز معرفت ضمیر ساجد، مومن پورہ، آکولہ
تبصرہ نگار : ڈاکٹر سید معصوم رضا

سماج اور زندگی کے مسائل سے بخوبی واقفیت تجربات و مشاہدات میں پختگی اور زبان پر دسترس کسی شاعر کی قادر الکلامی اور شعری صلاحیتوں کے اظہار میں معاون و مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ جس شاعر نے اپنے کلام میں زندگی اور زمانے کی مطابقت کو برقرار رکھا اس کی شاعری بیشک فنی اعتبار سے اس کے تخلیقی صلاحیت کی غمازی کریں گے۔ ضمیر ساجد کی شاعری میں بھی یہ خوبیاں جابجا موجود ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب "شناخت" ضمیر ساجد کا پہلا شعری مجموعہ ہے جس میں ایک نعت پاک اور ۵۵ غزلیں شامل ہیں، اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد شفاء الرحمن خان شفا کی ایک نظم اور ضمیر ساجد کی شاعری سے متعلق ایک مضمون اس کے ساتھ محمد اسمٰعیل کا بھی ایک مضمون ضمیر ساجد کی شاعری سے متعلق ہے۔ خود شاعر نے "اپنی طرف سے" کے عنوان سے اپنی شاعری اور کتاب کے حوالے سے اظہار خیال کیا ہے۔ کتاب ۱۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ فنی اعتبار سے یہ کتاب واقعی صفحہ در صفحہ مطالعہ کے لائق ہے اور قاری کو دعوت فکر دیتی ہے۔

یوں تو غزل میں عشق و عاشقی کے موضوعات غالب ہوتے ہیں لیکن ضمیر ساجد نے غزل کے پیرائے میں زمانے اور وقت کے تقاضوں پر شعری اظہار کرکے غزل کے دامن میں وسعت پیدا کرنے کی بہترین کوشش کی ہے۔ غزل کی روایت کا رواج جدید شاعری میں رفتہ رفتہ ختم ہوتا جا رہا ہے لیکن یہ شاعر کی فنی صلاحیت پر منحصر ہے کہ وہ روایت اور جدیدیت کا امتزاج اپنے شعر میں کیسے پیش کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو ضمیر ساجد کی غزلوں کے چند منتخب اشعار:

> غلط ہے زعم فصاحت کا اور بلاغت کا
> جدیدیت میں کہاں ہے عروج روایت کا
>
> یہ شہر ریختہ جو آہنگ ہے اسی کا ہے
> کہ بوند بوند غزل سے مری ٹپکتا ہے
>
> پھول کی سیج ضروری تو نہیں ہے ساجد
> نیند آتی ہے تو آجاتی ہے انگاروں پر
>
> غیروں سے پوچھتے ہیں مری خیر و عافیت
> کیسے کہوں کہ ان کو محبت نہیں رہی
>
> چپ چاپ ہی سنتا ہے مری عرض تمنا
> بیان وفا سے وہ مکر کیوں نہیں جاتا

اس کے علاوہ بھی ضمیر ساجد کے شعری رنگ میں کہیں کہیں شدت اور بانکا پن بھی ہے جس سے وہ بہت احتیاط سے وار بھی کر لیتے اور غزل کو اس کے مزاج کے اعتبار سے برقرار بھی رکھتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں عصری آگہی بھی ہے اور زمانے کا احساس بھی ہے، ملاحظہ ہوں چند منتخب اشعار:

> مجھے تو شدت غم میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
> میں روتا ہوں بظاہر آنکھ میری نم نہیں ہوتی
>
> احساس کمتری نہ جدوں کو ہو کہیں
> یہ سوچ کر مکاں کو اونچا نہیں کیا
>
> تری زبان پہ ایک بول بھی نہیں
> کہ میرے لہجے میں پہلے تو انکساری تھی
>
> پتنگیاں انہیں کی اوراق سوکھتے ہو کیوں
> یہ زندگی تو جیسے منافق کتاب ہے
>
> جدیدیت میں عدالت سے نیچے بھی
> حسینیت کی شہادت میں بار ہوتی ہے

ایسے بہت سے اشعار ضمیر ساجد کے شعری خزانے "شناخت" میں موجود ہیں جو ان کی شعری شناخت بھی ہیں اور ان کی شعری دسترس زبان و بیان، کلام میں شائستگی و سنجیدگی اور ان کی فکری بصیرت کا پتہ دیتے ہیں۔ اس کا اعتراف خود ضمیر ساجد نے اپنے اس شعر میں کچھ اس طرح کیا ہے، ملاحظہ ہو یہ شعر:

> جب بھی ہوئی ہے بزم شب و روز کی ساجد
> لوگ ہم کو نظر انداز نہیں کر سکتے

یہ بات قابل تائید ہے اس لیے کہ ضمیر ساجد نے ابھی اپنا شعری سفر شروع کیا ہے اور 'شناخت' ان کا پہلا شعری مجموعہ ہے جو عوام کی عدالت میں پیش کیا گیا ہے۔ اب یہ سلسلہ قائم رہے گا اور کئی مجموعے یکے بعد دیگرے منظر عام پر آتے رہیں گے۔ "شناخت" جہاں اپنے باطنی حسن سے آراستہ ہے وہیں اس کا ظاہری حسن بھی دلکش ہے۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب ہے۔ امید کہ یہ مجموعہ باذوق حضرات کی توجہ کا مرکز بنے گا۔

☆☆☆

نام کتاب : دعاء کا شجر (شعری مجموعہ)
مصنف : منیر سیفی
ضخامت : ۱۱۲ صفحات
قیمت : ۷۵ روپے
ناشر : اردو رائٹرس گلڈ، الہ آباد
تبصرہ نگار : افتخار عظیم چاند

جناب منیر سیفی کا دوسرا شعری مجموعہ "دعاء کا شجر" میرے ہاتھوں میں ہے۔ ان کا یہ شعری مجموعہ بہار اردو اکاڈمی پٹنہ کے جزوی مالی تعاون سے شائع ہوا ہے اور یہ مجموعہ ایک سو بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ جناب منیر سیفی نے اپنے شعری مجموعہ کی ابتدا نعت رسول سے کی ہے۔ بعد ازاں خواجہ غریب نواز کی خدمت میں منقبت بھی پیش کیا ہے۔ اس مجموعے میں کل ۷۱ غزلیں اور بارہ آزاد نظمیں شامل اشاعت ہیں۔ اس سے پیشتر منیر سیفی صاحب کا شعری مجموعہ "اجنبی صدا" کے نام سے ۱۹۸۵ء میں باضابطہ شائع ہو کر ادبی و علمی حلقے میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور سند مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ پروفیسر شکیل الرحمن، پروفیسر عنوان چشتی، جناب مظہر امام، ڈاکٹر قمر جہاں، جناب جوگندر پال، پروفیسر محمد عقیل، جناب نظام صدیقی، جناب ناظر نعمانی، پروفیسر علیم شموئل برقی، جناب شوکت حیات، جناب سید مظفر حسین برقی، پروفیسر گیان چند جین، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، جناب جنون اشرفی، جناب شکیل رحمانی وغیرہم نے منیر سیفی کی شاعری کا بخوبی اعتراف کیا ہے۔ جناب منیر سیفی نے اپنے مجموعہ کلام "دعاء کا شجر" میں کسی بھی ادیب، دانشور یا نقاد کا تحریر کردہ مقدمہ یا پیش لفظ شامل نہیں کیا ہے جس سے ان کی خود اعتمادی صاف ظاہر ہوتی ہے۔

> وہ کڑی کو بھی کسی نے بھی کاندھا دیا
> عمر بھر ڈھوتا رہا خود ہی جنازہ اپنا

عہد جدید کی شاعری میں تنہائی کا درد، خواب اور حقیقت کا تصادم، بے چہرگی کا کرب اور صنعتی زندگی کا قہر، یہ تمام باتیں اس طرح عام ہو گئی ہیں کہ ہر جدید شاعر کے یہاں اسی کا رونا ہے۔ جناب منیر سیفی کے موضوعات بھی بالکل اسی طرح کے ہیں۔

> گھرا ہوا تھا جو بارود کی سرنگوں سے
> پناہ گزیں میں اسی کوہ کے دامن میں تھا
> قدم قدم مجھے پلکوں سے خار چننا تھا
> میں زندگی کے بڑے سخت امتحان میں تھا

لیکن ان کی شاعری میں ایک خاص قسم کی اداسی اور رنج و غم پنہاں ہے جو جناب سیفی کے جذبات و احساسات کو مصنوعی ہونے سے بچا لیتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر اپنے ارد گرد جن تجربات کا مشاہدہ کر رہا ہے وہ خود ان تجربات و حوادث زمانہ کی صلیب پر مصلوب ہو چکا ہے۔

> زمین کرتی ہے باتیں آسماں سے
> یہاں ہر شے کی قیمت گھٹ رہی ہے
> حزہ فٹ پاتھ کا پوچھو نہ یارو
> عمارت کی مجھے چھت کاٹتی ہے

منیر کی شاعری میں دور حاضر کی شکست و ریخت کا احساس بدرجہ اتم موجود ہے اور ان کی شاعری میں تصنع کی بجائے بہت حد تک سچائی اور خلوص کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔

> شاید یہاں سے اٹھ گیا انصاف کا چلن
> اپنے ہی وطن میں ہوں پریشان یار سوال
> ممکن ہوتی ہے دوہری شخصیت سے
> دل آئینے کی صورت چاہتا ہوں

آج کی کسمپرسی اور نفسا نفسی کے دور میں جہاں انسان بے بس اور مجبور ہو کر رہ گیا ہے وہیں غزل کہنے کے لیے اسی افراتفری اور بھاگ دوڑ کی مشینی زندگی میں تھوڑا وقت نکال لینا بہت بڑی بات ہے۔ منیر سیفی کی غزلیں اور نظمیں کافی اثر انگیز ہیں اور معاشرے کی حقیقی تصویر کی عکاسی کرتی ہیں جن سے آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجموعے کے چند اشعار پیش خدمت

ہیں ۔

سیدھا سادہ تھا بولتا تھا سچ
سارے رشتوں سے کٹ گیا کوئی

ہوس اس کی فلک سے بھی ہے اونچی
وہ قارون کا خزانہ ڈھونڈتا ہے

اسے اٹھا کے گلے سے لگالیا میں نے
کہ جو سامنے پیچھے سے وار کرتا ہوا

منیر سیفی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ وہ ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ ان کی ادبی خدمات اور شاعرانہ عظمت کا اعتراف سمستی پور (بہار) کے ایک ادبی و لسانی ادارہ ساحیہ کار سنسد سمیتی نے بھی کیا ہے اور ان کے شعری مجموعہ دعا کا محور پر انہیں اعزاز و اکرام سے نوازا ہے۔

مجموعہ کی کتابت و طباعت نفیس، کاغذ اوسط اور پیش کش عمدہ و اعلا ہے۔

☆☆☆

بقیہ صفحہ ۲ سے آگے

زبیش کمار شاد، ساحر ہوشیار پوری، اکمل جالندھری، شمیم کرہانی، تحسین علی جعفری، مشیر جھنجھانوی، واقف مرادآبادی، روشن بنارسی، روش صدیقی، سلام مچھلی شہری، عشرت کرتپوری، عزیز وارثی، منظر لکھنوی، مظفر برنی، علیم اختر مظفر نگری وغیرہ۔ حالاں کہ فسادات کی وجہ سے فضا ایسی ہو گئی تھی کہ بقول جگر مرادآبادی: ؎

شاعر نہیں ہے وہ جو غزل خواں ہے آج کل

لیکن شاعروں نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کی اپنی کوشش جاری رکھی۔ گاندھی جی کی شہادت نے قتل و غارت گری کی فضا کو ختم کر دیا۔ مارچ میں شہر کا کاروبار معمول پر آیا تو مشاعروں کا زور شور پھر شروع ہوا۔ جون ۱۹۴۸ء میں گاندھی گراؤنڈ کمپنی باغ میں شاداں دلی کے اہتمام میں جو مشاعرہ ہوا اس میں اگست ۱۹۴۷ء کے بعد ہزاروں کی تعداد میں سامعین جمع ہوئے جن میں بیشتر تعداد پنجاب سے آئے ہوئے حضرات کی تھی۔ یہ دیکھ کر حیرت انگیز مسرت ہوئی تھی کہ بلا امتیاز مذہب و ملت تمام شعرا کو کھلے دل سے داد مل رہی تھی۔ اس مشاعرے میں ایک لطیفہ بھی ہوا۔ جب بسمل شاہجہانپوری کلام پڑھنے کھڑے ہوئے تو جوش صاحب بولے۔ بھئی بسمل اب مذاق بہت ہو چکا۔ وگ بھی اتار دو۔ بسمل صاحب نے برجستہ جواب دیا۔ اگر آپ لگا لیں تو میں اتار دوں۔ کنور مہندر سنگھ بیدی نے یہ کہہ کر اس میں اور زیادہ لطف کا اضافہ کر دیا کہ بسمل صاحب ان کے لگا لینے کے بعد بھی آپ کے لیے کافی بچ رہے گی۔

معذرت خواں ہوں کہ اختصار پر اکتفا کرنا پڑ رہا ہے۔ کتنی ہی تنظیموں اور اداروں کا ذکر نہیں کر سکا۔ جناب بخشی امرتسری، ظاہر حیدر، ادیب لکھنوی، وتاتریہ کیفی، بسمل سعیدی، مخمور سعیدی، بانی جالسی، ساجد دہلوی، عرش صہبائی، ڈاکٹر پریم لال شفا، مخمور دہلوی، کامل قطائی، وحرم پال گپتا وفا، نادر دہلوی، رفعت سروش اور گلزار دہلوی وغیرہ جیسے کتنے ہی سخنوروں کا ذکر تفصیل سے کرنے سے معذور ہوں۔ یہی دعا گو ہوں کہ خدا سلامت رکھے دلی کو اور دلی والوں کو۔ روشن رکھے مشاعروں کی شمعوں کو اور سلامت رکھے ان شاعروں کو جو محبت، اتحاد باہمی اور اخلاقی اقدار کا پیغام عوام تک پہنچا رہے ہیں۔

(بشکریہ ماہنامہ "ورق" دہلی)

بقیہ صفحہ ۳ سے آگے

صدارت میں ہوا جس میں نسیم فاروقی صاحب نے مولانا عبدالسلام ندوی کی نثر کے علمی تجزیہ کے ذریعے ان کے محاسن بیان کرنے کے ساتھ نثر کے حقیقی مفہوم، جامع نثر کی خصوصیات اور مولانا عبدالسلام ندوی کی نگاہ میں نثر کیا ہے، وضاحت کی۔

پروفیسر خورشید نعمانی (سابق رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ) نے اپنے مقالے "مولانا عبدالسلام ندوی اساتذہ، معاصرین اور رفقا کی نظر میں" میں بتایا کہ عبدالسلام ندوی دارالمصنفین کے سرفہرست رکن اور معمار اعظم تھے۔ ان کا دائرہ بڑا وسیع تھا۔ انشا پردازی پر حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا ہے۔ جس موضوع پر قلم اٹھاتے اس کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑتے۔

ڈاکٹر خلیق انجم نے مولانا کے بارے میں بتایا کہ مولانا عبدالسلام ندوی ایک ایسی شمع تھے جس نے تقریباً نصف صدی تک مسلسل علم و ادب کو اپنی روشنی سے منور رکھا۔ انھوں نے مزید کہا کہ تاریخ اسلام پر ان کی بصیرت افروز کتاب "صحابہ کرام" دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ مسلم بزرگوں پر ان کی تصنیف "فقرائے اسلام" اور "حکمائے اسلام" پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ فن تعمیر پر ان کی عالمانہ معلومات ہیں۔

تیسرے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے پروفیسر محمد شمیم جیراجپوری نے جو مولانا علیہ الرحمہ کے نواسے ہیں، کہا کہ مولانا عبدالسلام ندوی ایک منفرد شخصیت کا نام ہے، جنھوں نے کبھی خود کو منوانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ جو کچھ لکھتے تھے اس کے بارے میں بھی فکر نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے اس بات کا احساس دلایا کہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کا زیادہ حق تھا کہ وہ آج کے اس سمینار کا انعقاد کرتا۔

پروفیسر عبدالمغنی (سابق وائس چانسلر متھلا یونیورسٹی دربھنگہ) نے مولانا عبدالسلام ندوی کی خدمات بیان کرتے ہوئے کہا کہ ۱۹۴۸ء میں "اقبال کامل" تصنیف کر کے اقبال کے فکر و فن کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے معلومات کا ایک منبع و مرجع فراہم کر دیا۔ چوتھے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر محمد اسحاق جمخانہ والا (صدر انجمن اسلام بمبئی) نے کی اور نظامت کے فرائض مولانا مستقیم احسن اعظمی نے انجام دیے۔

پروفیسر محمد شعیب اعظمی نے "شعر الہند اور مقالات کی روشنی میں" کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا عبدالسلام ندوی شبلی اسکول کے ان صاحب قلم ادیبوں میں ہیں جن کی ادبی و علمی خدمات بھی فراموش نہیں کی جا سکتیں۔ ان کی تصنیفات اردو کی آئندہ نسل کے لیے رہنما اور ادبی اور شعری ذوق کی آبیاری اور فروغ کے لیے اصول اور ضابطے کا مواد فراہم کرتے رہیں گے۔

ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی نے کہا کہ علامہ شبلی نے نامورانِ علم و فن کا جو کارواں اپنے پیچھے چھوڑا تھا مولانا عبدالسلام ندوی اس کے رکن اعظم تھے۔ وہ مولانا ابوالکلام آزاد کے رفیق کار اور مولانا سید سلیمان ندوی کے دست راست رہے۔ دارالمصنفین کے معماروں میں تھے۔ تحقیق و تدقیق اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

محقق غالب کالی داس گپتا رضا	محمد عارف خاں / ثاقب صدیقی	۸۰/=
خاقانی ہند ذوق دہلوی (معتبر کوائف اور مستند کلام)	کالی داس گپتا رضا	۱۲۰/=
علی سردار جعفری کے خطوط	خلیق انجم	۱۲۵/=
بیسویں صدی کی اردو شاعری	اوصاف احمد	۳۰۰/=
گلکاری دہشت کا شاعر: مجروح	خلیق انجم	۲۳۰/=
سحرالبیان (میر غلام حسن حسن دہلوی)	رشید حسن خاں	۳۲۵/=
مسائل تصوف	میکش اکبرآبادی	۸۵/=
بیسویں صدی کی ممتاز شخصیت پروفیسر خواجہ احمد فاروقی	خلیق انجم	۱۰۰/=
غالب کا فن	عبدالمغنی	۵۰/=
مثنوی لخت جگر	ارجمند آرا	۱۲۰/=
توقیت غالب	ڈاکٹر کاظم علی خاں	۱۰۰/=
آصف علی اور ارونا آصف علی	خلیق انجم	۳۵۰/=
اشاریہ غالب	شمیم جہاں	۵۰/=
مثنویات شوق	رشید حسن خاں	۱۳۰/=
شبلی کی علمی و ادبی خدمات	خلیق انجم	۱۵۰/=
جوش ملیح آبادی - تنقیدی جائزہ	خلیق انجم	۱۰۰/=
رائے بہادر رائے ہیرا لال... (سوانح اور ادبی خدمات)	ڈاکٹر حنیف نقوی	۷۰/=
میر کی آپ بیتی	پروفیسر نثار احمد فاروقی	۱۲۵/=
قطعے اور رباعیاں (دیوناگری رسم الخط)	رشید حسن خاں	۳۶/=
انتخاب خطوط غالب (دیوناگری رسم الخط)	خلیق انجم	۳۰/=

بقیہ صفحہ ۵ سے آگے

جناب مقدر حمید نے کہا کہ باقر بھائی انور خاں کو بہت عزیز تھے۔ اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں میں غالباً وہ سب سے زیادہ مطالعہ کرتے تھے۔ ان کے افسانوں کا ابتدائی دور رومان سے عاری اور بعد کا دور زندگی سے قریب تر محسوس ہوتا ہے۔ ڈاکٹر یونس اگاسکر نے انور خاں سے اپنی آخری ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنی ذخیرہ شدہ کتابوں کو تقسیم کرنے کی بات کر رہے تھے۔ اگر وہ پابندی سے دوائیں لیتے تو شاید موت کو کچھ اور دیر روکے رہتے۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ انور خاں کی یاد کو تازہ رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے افسانوں کا انتخاب کر کے ایک اچھے مقدمے کے ساتھ اسے شائع کیا جائے۔

جناب مجتبیٰ ... نے بھی باقر بھائی سے انور خاں کی قربت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ شب خون دور میں انھوں نے چھوٹی چھوٹی علامتی کہانیاں لکھیں لیکن وہ ابہام سے دور تھیں۔ شمیم عباس صاحب نے کہا کہ یہ خیال غلط ہے کہ انور خاں اختصار پسند تھے۔ ہم انور خاں کا لوگ معترف ہیں۔ ان کے افسانے اختصار نویسی، موضوع کے تنوع اور تکنیک کے اعتبار سے اپنے ہم عصروں سے مختلف تھے۔ جناب الیاس شوقی نے کہا کہ انور خاں کے مزاج میں توازن تھا، ٹھہراؤ تھا، وہ نئے لکھنے والوں پر تنقید کرنے کی بجائے ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ جناب م۔ ناگ نے کہا کہ انور خاں کبھی بڑے تکنیک کے پیچھے نہیں بھاگے بلکہ چھوٹے چھوٹے موضوعات پر اچھی کہانیاں دیں۔ عبدالاحد ساز صاحب نے کہا کہ انور خاں شعر کے تقاضوں سے واقف تھے۔ وہ شاعری سے افسانوں کا Demand نہیں کرتے تھے بلکہ شعر کو شعر کے تناظر ہی میں دیکھتے تھے۔ ان کے کرداروں کی تاریخ، شناخت بمبئی کی گلیوں اور محلوں میں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ جناب اسماعیل شیخ نے انور خاں سے روحانی تعلق جوڑتے ہوئے ایک جذباتی مضمون "انور خاں تم چلے گئے" پڑھا۔

(پریس ریلیز: شمیم ... بمبئی یونیورسٹی)

شمس الدین تاباںؔ — شکستہ دل کا شاعر

ڈاکٹر طیب انصاری (مکان نمبر 10-3-5/6/1 ، کمیز مہدی پٹنم، حیدرآباد-۵۰۰۰۲۸)

محمد شمس الدین تاباں کی تلاش ان کے مجموعہ کلام "زنجیر و زنار" میں ممکن ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فن کار مرتا نہیں ہے، اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے فن کی وجہ سے زندہ و جاوید ہو جاتا ہے۔ وہ گھر میں بھلے ہی نہ رہے مگر وہ اپنے فن کے گھروندے میں زندہ و موجود ہوتا ہے اور ایک شاعر کا گھروندہ اس کا شعری مجموعہ ہوتا ہے۔ اسی لیے میری اس کھوج کے نتیجے میں تاباں میرے سامنے موجود ہیں۔ وہ کیا ہیں، انھی کی زبانی سنیے۔

مرا مقام ہے وہم و گماں سے آگے
جو آپ سوچیے اس سے بھی ماورا ہوں میں
بہ ظاہر آنکھوں میں جو زنجیر کے شرکے
مجھی تو کشتی عالم کا ناخدا ہوں میں
یہ پاس شرع رسالت "تو کہہ نہیں سکتا
مگر یہی ہے کہ حق میں وہی خدا ہوں میں
بڑا ہی فضل ہے مجھ پہ مرا شعور اتنا
اسی شعور کا اب بہت بڑا ہوں میں
حقیر سمجھیں نہ تو میں حقیر دکھتا ہوں
گدائے شاہ امم ہوں اور گدا ہوں میں
رسول پاک کے قدموں میں رزق لکھے کی
مجھی تو اس لیے دل میں شاہ رہا ہوں میں
خدا کے واسطے تاباں مری طرف دیکھو
خدا شناس، خدا خو، خدا نما ہوں میں

گویا اس طرح تاباں نے اپنا مکمل تعارف کرا دیا ہے۔

تاباں خدا شناس تھے، خدا خو اور خدا نما بھی تھے اور یہ مرتبہ اور مقام انھیں یوں ہی حاصل نہیں تھا۔ یہ مرتبہ، یہ مقام انھیں رسول پاک کی غلامی کا صلہ تھا۔

نظر ہے مجھ پہ بہر حال میرے آقا کی
غلام ہوں شہ لولاک مصطفیٰ ہوں میں

دیکھیے غلامانِ مصطفیٰ کا مرتبہ کیا ہے۔

تاباں وہم و گمان کے مقام سے ماورا ہیں۔ عشق رسول نے تاباں کو ذاتِ خداوندی میں مدغم کر دیا۔ فنا فی اللہ کا فلسفہ بڑا مختصر ہے۔

وہ مرا آئینہ ہیں اور ان کا آئینہ ہوں میں
نہ کہہ مجھ سے جدا ہیں نہ ان سے جدا ہوں میں

گویا تاباں نے خود کو ذاتِ الٰہی میں فنا کر دیا۔ وہ در ہے اور کہہ اٹھے کہ

تو پھر بندہ کہیے، خدا کہو خدا ہوں میں

اچھا ہوا کہ تاباں منصور کے زمانے میں پیدا نہیں ہوئے ورنہ دار پر چڑھا دیے جاتے۔ تاباں شاعر تو تھے مگر بنیادی طور پر وہ صوفی تھے۔

تاباں کے تعلق سے میں نے دو باتیں کہی ہیں، ایک صوفی کہ وہ شاعر تھے اور دوسری نجی اور تعلقی کہ وہ صوفی تھے۔ میری یہ دونوں ہی باتیں بجا ہیں۔ چنانچہ اس کا اشارہ ڈاکٹر زینت ساجدہ نے بھی اپنے مقدمہ میں کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں

"تاباں کے کلام کو دیکھیے تو یوں لگتا ہے کہ صرف مصحفی کی شاگردی ہی نے انھیں شاعر نہیں بنایا بلکہ پردے میں کوئی صوفی صافی بھی شریک حال رہا ہے۔ کیوں کہ تصوف کی جو چاشنی تاباں کے کلام میں ہے اور قرآن، حدیث اور اقوال بزرگان کے اشاروں کو جس روانی اور چابک دستی کے ساتھ تاباں نے باندھا ہے وہ صوفیا کی نظر عنایت اور اہل دل کی صحبت کے بغیر میسر ہونا مشکل ہے۔

میں جس کے ذکر و فکر میں بیٹھا ہوں روز و شب
بندہ خدا کا میرا خدا ہے وہ آدمی"

ڈاکٹر زینت ساجدہ نے اسی طرح کے اور بہت سے شعر نقل کیے ہیں اور اس کے بعد وہ کہتی ہیں

"مگر تاباں صرف تصوف اور حقیقت کے آدمی نہیں۔ ورد و اور امیر کی یک رنگی ہر ایک کے بس کی بات بھی نہیں۔ اردو کے اکثر غزل گویوں کی طرح ان کے ہاں دو رنگی ہے"۔

چنانچہ اسی دو رنگی کے پیش نظر رؤف رحیم نے "زنجیر و زنار" کی غزلیات کو دو مختلف عنوانات کے تحت ترتیب دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"غزلیات کا انتخاب کر کے میں نے انھیں دو حصوں میں تقسیم کیا ہے جن غزلیات میں تغزل کا رنگ زیادہ ہے انھیں 'غزلیات' اور جس میں تصوف کا رنگ غالب ہے انھیں 'الہامات' میں شامل کیا ہے"۔

اردو کے قدیم و جدید شعرا میں یہ دو رنگی ہمیشہ سے نظر آتی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ زمانۂ قدیم میں اردو شاعر، فارسی ادب سے متاثر رہا ہے اور دور قدیم میں مذہبی شاعری ہی روا تھی۔ شاعری کا یہ رنگ خانقاہی تہذیب کی دین تھی۔ آہستہ آہستہ شعرا نے منہ چھپا اور نظریں بچا کر شراب کو منہ لگایا اور دیدار حسن پر سر رکھ دیا۔ تب ہی تو تاباں نے خواہش کی۔

کسی کے پاس جا کے یہ مرا غم بیٹھا
کوئی روک دے خدا انھیں گردش زمانہ

لگتا ہے کہ تاباں کی یہ خواہش کچھ دیر کے لیے پوری بھی ہوئی۔ گردش زمانہ رک ہی گئی اور وہ کچھ عرصہ تک نصیب کم سن و کم فہم کے مزے اٹھاتے رہے ہوں مگر یہ رنگ تاباں کا پکا رنگ نہیں ہے۔ ہاں اس کی وجہ سے یہ ہوا کہ غزل کا رنگ چوکھا ہوا۔ حد تو یہ کہ ولی کی پردہ داری جاتی رہی اور لکھنؤ کا تغزل پردہ ہٹا کر بلکہ اتار کر جھانکنے لگا۔ تاباں مصحفی کے شاگرد تھے اور مصحفی اور داغ دہلوی کے دل گیر دبستان دہلی کے نمائندہ ہونے کے باوجود نظام رامپوری کے اثر نے ان کو لکھنؤ کے دبستان سے قریب تر کر دیا تھا۔ داغ رامپور سے ہو کر حیدرآباد آئے تھے۔ یہاں کے شاعروں کو انھوں نے رنگ لگائی سے آلودہ کر دیا جب ہی تاباں اپنے صوفی صافی شاعر کے شعر سے عریانیت جھانکتی ہے اور چوڑیوں کے کھنکنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

چوڑیاں بجتی ہیں یوں تیری کلائی کے نثار
شاخ گلنار پہ چڑیوں کی چہک ہو جیسے

ڈاکٹر زینت ساجدہ نے سچ ہی کہا ہے کہ یہ ان کا مستقل رنگ نہیں۔ میرے خیال میں تو تاباں کا مستقل رنگ تصوف ہی ہے اور تصوف میں بھی وہ وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ تاباں نے 'تعارف' اور 'روح تصوف' کے زیر عنوان جو نظمیں کہی ہیں وہ میرے اس خیال کی تائید کرتی ہیں۔

عام طور پر صوفی اور تصوف کے بارے میں یہ خیال ہے کہ ان کا تعلق انسانی زندگی کے اس پہلو سے نہیں ہے جو مادی آسائشوں اور ضروریات سے متعلق ہے۔ حالاں کہ صوفی دنیا میں رہتا ہے اور وہ دنیا سے دور بھی۔ اس کی کیفیت بہ ہمہ و بے ہمہ کی سی ہوتی ہے۔ اصل میں صوفی دنیا کو ایک خار دار راستہ سمجھتا ہے، وہ اس راہ سے گزرتا تو ہے لیکن اپنا دامن بچا کر، وہ دنیا کی ضروریات سے نہیں آلودگیوں سے خود کو دور رکھتا ہے بلکہ وہ صرف ان آلودگیوں سے خود کو دور رکھتا ہے بلکہ وہ دوسروں کو اس سے بچانے اور محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاباں کا تصوف ایجابی اور اثباتی ہے۔ وہ قنوطیت کا شکار نہیں ہیں اس لیے ان کی شاعری میں مثبت پہلو نمایاں ہے۔ ایسے اشعار جو انسانی زندگی سے علاقہ رکھتے ہیں، وہ پیش خدمت ہیں۔

جلاؤ اور ابھی خون چشم و دل کے چراغ
تمام انفس و آفاق میں اندھیرا ہے

حقیر مصلحتوں کے شکار ہیں ہم لوگ
یہ کیسا دور ہے جینوں سے بھی کمال گیا

مقام پر پہنچ کر آدمی مغرور ہے کیوں ہے؟
مقام انسان کا ہو تو جانے مہر و ماہ اختر سے

ذرا دیکھو تو اس کے دل کی دنیا کس طرح چلیں
جوانی ظلموں کو اپنی زندگی کا پیچ کر کے

تاباں کے کلام میں مٹی کی خوشبو بسی ہوئی لیکن روح کی پاکیزگی کارفرما نمایاں ہے۔ چنانچہ "زنجیر و زنار" کی بسم اللہ مناجات سے ہوئی ہے۔ تاباں بارگاہ الٰہی میں دست بہ دعا ہیں۔

تشنہ ہیں ساقی شرابِ رحم دے ہمیں
آنکھ کی چشم ہو جس میں ہو وہ مئے ہمیں
صبح سے نے ابر دے شام سے نے چاندنی
دن سلونے کر عطا راتیں سہانی دے ہمیں
نیک زمیں قبضے میں، قدرت آسماں پر کر عطا
خالق ارض و سما وہ عظمتیں دے ہمیں

پوری مناجات پڑھ جائیے دل و دماغ کے دریچے خود بہ خود کھل جائیں گے۔ آپ تاباں کی بصیرت کے قائل ہو جائیں گے اور پھر وہ مقطع میں ایک صوفی کامل کا رنگ اختیار کرتے ہیں۔ اس صوفی کا جو عشق میں اپنے اوپر خوف الٰہی طاری کر لیتا ہے اور اسے غم میں خوشی محسوس ہوتی ہے۔

اور دعا تاباں کی آمین اے سخی دے ہمیں
عشق میں خوف اور غم میں شادمانی دے ہمیں

تاباں کا یہ صوفیانہ رنگ خوف الٰہی کے علاوہ عشق رسول پاک کا حاصل ہے۔ تب تو وہ کہتے ہیں۔

تم سے شعور زیست بھی عرفان ذات بھی
فرمان حیات کے عنوان تمہی تو ہو

ذرا پھر سوز دل درد محبت عام فرما دیں
دعا تاباں کی ہے یہی دلوں پر حق کی خدمت میں

محبت کا تقاضا ہے کہ دوئی مٹ جائے۔ تاباں اس منزل پر پہنچ گئے اور انھوں نے کہا۔

کیا کہوں کیسے کہوں کیا ہے خدا کیا آپ ہیں
اول و آخر ہی کیا پنہاں و پیدا آپ ہیں
ذات ہو وہ ذات حق دو رخ ہیں اک تصویر کے
دین و دنیا آپ سے ہے دین و دنیا آپ ہیں

تاباں کی شاعری کا بڑا حصہ محبت الٰہی اور عشق رسول میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ رنگ، اور رنگ تاباں ہے اور یہی رنگ تاباں کی اصل پہچان بھی ہے۔ ان کے یہاں جمال معرفت بھی ہے اور جلال عاشقانہ بھی۔

یوں تو تاباں شاعر خوش نوا بھی اور خوش فکر بھی لیکن بقول خود۔

لیکن شکستہ دل کی صدا ہے وہ آدمی

اور وہ شکستہ دل آدمی صدا لگاتے اس دنیا سے اٹھ گیا۔

ہونٹوں پہ ترا نام ہے اللہ اللہ
دن رات یہی کام ہے اللہ اللہ
کیا تجھ سے صفات ذات کا ذکر کروں
آرام ہی آرام ہے اللہ اللہ

☆☆☆

ایڈیٹر: خلیق انجم
پرنٹر، پبلشر: شاہد خاں　　مطبوعہ: شر آفسٹ پرنٹنگ پریس، نئی دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲-راؤز ایونیو، نئی دہلی-۲
قیمت (فی شمارہ) دو روپے　　سالانہ ۸۵ روپے (بیرونی ممالک ۸ امریکی ڈالر)
Phones: 3237210,3236299 Fax: 011-3239547
E-mail: urduadabndli@bol.net.in